ڈاکٹر سمیرا اکبر
استاد، شعبہ اُردو، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر عبدالعزیز ملک
استاد، شعبہ اُردو، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

# مسعود مفتی کے افسانوں میں ہیومنزم

**Dr. Sumaira Akbar**
Assistant Professor, Department of Urdu, GCU, Faisalabad.
**Dr. Abdul Aziz Malik**
Assistant Professor, Department of Urdu, GCU, Faisalabad.

## Humanism in the Short stories of Masood Mufti

Humanism is derived from the Latin word 'Humanus' which means a system of thought concerned with human affairs. Humanism is a system of thought in which logical reasoning is more important than religious beliefs. It emphasizes the fact that the basic nature of humans is good. In Urdu " Insan dosti", "Insaniat", "Insan parasti" terms are used for Humanism. Masood Mufti is well known Urdu short story writer. His five short story books have been published. In this article Humanistic study of Masood Mufti short stories has been presented.

**Key Words**: *Humanism, religion, Masood Mufti, Short Stories, Insan dosti.*

ہیومنزم (Humanism) دو الفاظ Human بمعنی انسان اور ism بمعنی عقیدہ، فلسفہ، مطالعہ سے مرکب ہے۔ اس لفظ کا ماخذ لاطینی لفظ "Humanus" ہے جس کے معنی ایک نظام فکر ہے جو انسانی امور سے متعلق ہو۔ Humanism کے لیے ماضی میں لاطینی لفظ "Humanitas" بھی رائج رہا ہے جسے رومن مفکر Marcus Tullius Cicero انسان کی تعلیم و فضیلت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔[1]

ہیومنزم ایک فلسفیانہ ادبی تحریک ہے جو چودھویں صدی میں اٹلی میں پیدا ہوئی اور وہاں سے یورپ کے دیگر ممالک میں پھیل گئی۔ ہیومنزم کے فلسفہ میں نسان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جے اے کڈن، ڈکشنری آف لٹریر ٹرمز میں ہیومنزم کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

> "A broad term which encompasses human-centred philosophies (as opposed to those centred on religion and the supernatural)."[2]

ہیومنزم کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنی عقل، فہم اور تجربہ کی بنیاد پر اپنے اور دوسروں کے اچھے برے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔اس فلسفہ میں عقل کو مذہب پر فوقیت دی جاتی ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں ہیومن ازم کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

> "A system of thought that considers that solving human problems with the help of reason is more important than religious beliefs. It emphasizes the fact that the basic nature of humans is good."(3)

برٹانیکا آن لائن ڈکشنری میں اس اصطلاح کی توضیح کچھ یوں کی گئی ہے:

> Humanism the learning or cultural impulse that is characterized by a revival of classical letters, an individualistic and critical spirit, and a shift of emphasis from religious to secular concerns and that flowered during the Renaissance 2.Devotion to human welfare :interest in or concern for humankind, humanity, humanitarianism, 3. a doctrine, set of attitudes, or way of life centered upon human interests or values."(4)

یہ اصطلاح پہلی بار ایک جرمن مصنف F.J. Niethammer نے استعمال کی۔اس کے بعد ہیومنزم کے زیر اثر ابتدائی لکھنے والوں میں اٹلی کے شاعر Francesco Petrarch (1304 - 1374)،انگریز فلسفی Sir Thomas More (1478-1535)، انگریز فلسفی Sir Francis Bacon (1561- 1626)،فرانسیسی ادیب Francois Rabelais (1494-1553)، فرانسیسی ادیب Michel de Montaigne (1533 - 1592)،اور اٹلی کے لکھاری Giovanni Pico della Mirandola (1463 - 1494)شامل ہیں۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسویں میں ہیومنزم کے فروغ کے لیے کئی عالمی تنظیمیں بنائی گئیں جن میں ہیومنسٹک ریلیجئس ایسوسی ایشن)(Humanistic Religious Association) ۱۸۵۳، برٹش ہیومنسٹک ایسو سی ایشن(۱۸۹۶ء)،امریکن ہیومنسٹک ایسوسی ایشن(۱۹۴۱ء)، انٹر نیشنل ہیومنسٹک اینڈ ایتھیکل یونین(۱۹۵۲ء)شامل ہیں۔ بیسویں صدی کے نمایاں ہیومنسٹک ادیبوں میں عالمی شہرت یافتہ برطانوی فلاسفر Bertrand Arthur William Russell (1872 - 1970)،معروف سائنس دان Albert

Einstein (1879 - 1955)، فرانسیسی نوبل انعام یافتہ فلسفی و ادیب Albert Schweitzer (1875 - 1965)، امریکن ادیب اور بوسٹن یونیورسٹی میں بائیو کیمسٹری کے پروفیسر Isaac Asimov (1920 - 1992)، امریکی ماہر فلکیات اور ادیب Carl Edward Sagan (1934 - 1996) اور امریکن ادیب Kurt Vonnegut (1922 - 2007) شامل ہیں۔

ہیومن ازم کے لیے اردو میں انسان دوستی، انسان نوازی اور انسان پرستی کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ قومی انگریزی اردو لغت میں ہیومنزم کے معنی کچھ یوں دیئے گئے ہیں:

> "انسان نوازی، انسان دوستی، مذہب انسانیت، انسان پسندی، مسلک انسانیت، انسان پرستی، وہ نظام فکر و عمل کا مسلک جس میں انسانی اور دنیاوی مفادات حاوی ہوتے ہیں۔ انسانی علوم کا مطالعہ، تحریک احیائے علوم کے ان انسان دوست مفکرین کے ادب اور خیالات میں پھر سے دلچسپی جنھوں نے مذہب کو کم اہم قرار دیا۔"(۵)

اردو ادب میں انسان دوستی (Humanism) کے سب سے پہلے علم بردار صوفیاء کرام ہیں جن کی تحریروں نے انسان دوست جذبات اور مذہبی رواداری کو فروغ دیا۔ اس خطے کی شعری روایت کی فکری بنیادیں بھی صوفیا کرام کے وحدت الوجود کے نظریے پر استوار ہیں۔ جس میں کسی قسم کی فرقہ پرستی ہے نہ عصبی گروہ سازی، جہاں انسان دوستی اور محبت ہی مقصد حیات ہے۔ صوفیا کرام کا یہی نظریہ اردو کی پوری شعری و نثری ادب کی روایت میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

اردو افسانہ میں بھی ابتدا ہی سے انسان دوستی کے رجحانات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اردو ادب کے پہلے افسانہ نگار پریم چند کے افسانوں میں ہیومنزم کے رجحانات کو نمایاں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کا سماجی شعور اس حد تک قابل رشک ہے کہ انہیں ہر فرقے اور ہر مذہب کے لوگوں نے پسند اور آئیڈلائز کیا۔ انہوں نے انسانیت کے خلاف رسوم و رواج خواہ وہ مذہبی ہو یا سماجی، کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں انسان دوستی مثالی ہے۔ منٹو کے تقسیم، فسادات اور ہجرت کے موضوع پر لکھے جانے والے افسانوں میں انسانیت اور انسان دوستی اپنے عروج پر ہے۔ منٹو فسادات اور کرب کی فضا کا ذمہ دار مذہبی عدم رواداری کو ٹھہراتے ہیں اور اس رویے کو تلخ انداز میں اپنے افسانوں میں پیش کرتے ہیں۔ منٹو کے افسانہ "سہائے" کا آغاز ہی ان انسان دوست الفاظ سے ہوتا ہے:

"یہ مت کہو کہ ایک لاکھ ہندو اور ایک لاکھ مسلمان مرے ہیں۔۔۔یہ کہو کہ دو لاکھ انسان مرے ہیں۔"(۶)

اس کے علاوہ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانہ لکھنے والوں میں انسان دوستی اور اس سے متعلقہ رجحانات جابجا نظر آتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، احمد علی، رشید جہاں، علی عباس حسینی، احمد عباس، اختر حسین رائے پوری، احمد ندیم قاسمی شامل ہیں۔

اردو افسانہ میں انسان دوستی کی اس روایت کو مسعود مفتی نے آگے بڑھایا۔ مسعود مفتی کا اصل نام مسعود الرحمن ہے وہ ۱۰ جون ۱۹۳۴ء کو پاکپتن میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۵۶ء میں ایم اے انگلش کیا اور ۱۹۶۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ڈپلومہ کیا اور پاکستان سول سروس میں ملازمت اختیار کی۔ صوبہ پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں کمشنر اور ڈپٹی کمشنر رہے۔ ۱۹۹۴ء میں گورنمنٹ آف پاکستان کے ایڈیشنل سیکریٹری کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں محدب شیشہ (۱۹۶۴ء)، رگِ سنگ (۱۹۷۸ء)، ریزے (۱۹۷۹ء) سالگرہ (۱۹۹۶ء) اور توبہ (۲۰۰۶) شامل ہیں۔

مسعود مفتی کے پہلے افسانوی مجموعہ "محدب شیشہ" کے افسانوں میں انسان دوستی، محبت بلکہ انسان پرستی نمایاں رجحانات کے طور پر نظر آتے ہیں۔ افسانہ "محدب شیشہ" کا آغاز ہی جمعہ کے واعظ سے ہوتا ہے، جہاں مولوی صاحب یتیم، مسکین اور بیوائوں کی مدد کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ افسانے کا مرکزی کردار ماسٹر برکت علی واعظ سننے کے بعد یتیموں اور بیوائوں کی مدد کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ماسٹر برکت علی قصبے کے بچوں کو تعلیم دیتا تھا اور سارا قصبہ ماسٹر صاحب کی شرافت اور نیکی کا مداح تھا۔ وہ خدمت خلق کو اپنا دین و امان سمجھتا تھا:

"جب سے اس نے قصص الانبیاء میں پڑھا تھا کہ قیامت کے روز بخشش کا سب سے آسان طریقہ خدا کے بندوں کی خدمت کرنا ہے۔ اس روز سے اس نے عہد کر لیا تھا کہ اپنی زندگی سکول کے لیے خصوصاً اور خدمت خلق کے لیے عموماً وقف کر دے گا۔ تاکہ لوگوں کو سدھار سکے۔"(۷)

ماسٹر برکت علی کا کردار انسان دوستی کے نظریات کا پیروکار ہے۔ وہ ہر ماہ اپنے دو ایک طالب علموں سے فیس نہ لیتا کہ ان کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں۔ لڑکیوں سے فیس بالکل نہیں لی جاتی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔ کنوئیں پر جاتا تو کنویں کی چرخی پکڑ کر دوسروں کے گھڑے بھرنے لگتا۔

"نہانے کے بعد ماسٹر برکت علی گڑھے کو صاف پانی سے بھر دیتا تاکہ پرندے پانی پی سکیں اور خود واپس چلا جاتا۔"(۸)

ماسٹر برکت علی قصبے کے لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا اور نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں، پرندوں کا بھی خیال رکھتا۔

"گلی کی موڑ پر چند آوارہ بچے ایک کتے کی دم میں رسی باندھے تالیاں پیٹ رہے تھے۔ماسٹر برکت نے انہیں ڈانٹا کتے کو چھڑایا"(۹)

انسان دوستی کے جذبے کے تحت ایک یتیم بچے غفور اور اس کی بیوہ ماں نوراں کی مدد اور سرپرستی کرتا۔ جب قصبے کے لوگوں نے نوراں کے حوالے سے ماسٹر کے کردار پر الزام لگایا اور وہ اپنی سچائی ثابت نہ کرنے میں ناکام ہو گیا تو اسے چارپائی پر مردہ حالت میں دکھا کر افسانہ نگار ہمارے معاشرے پر طنز کرتے ہیں جو انسان دوستی اور انسانیت کا احترام کے جذبات سے عاری ہے اور افسانے کے اختتام پر یہ طنز اور گہرا ہو جاتا ہے:

"چند ماہ بعد زکوۃ کا مہینہ پھر آگیا۔ مولوی صاحب مسجد میں کھڑے واعظ کر رہے تھے۔"دکھیا اور بے سہارا کی ایک آہ سات آسمانوں میں سوراخ کر دیتی ہے۔ایسی بیوہ کی مدد کرنے والا سیدھا جنت میں جاتا ہے۔اگر دین و دنیا میں عزت چاہتے ہو تو بیوہ کی مدد کرو۔"(۱۰)

ہیومن ازم میں مذہب کی بجائے انسان کو مرکزی مقام حاصل ہے۔مذہب کے نام پر ہونے والی خون ریزی اور قتل و غارت کو اس تحریک سے وابستہ لکھاری ہمیشہ ہدف تنقید بناتے رہے ہیں۔یہی موضوع مسعود مفتی کے تخلیق کردہ ایک افسانے "یا خدا" کا ہے۔اس افسانے میں وقت کی اکائی لامحدود ہے۔اس افسانے کا راوی ایک مسافر ہے جو ایک غار کے دہانے پر کھڑا ہے۔اس کے سامنے تاریخ انسانی کے کئی اوراق بکھرے پڑے ہیں اور ہر ورق خونریزی کی ایک نئی داستان سنا رہا ہے۔تیرھویں صدی عیسویں میں بھی کوئی اس غار میں آیا تھا جو پسینے میں شرابور اور ہاتھوں میں انجیل تھامے کہہ رہا تھا:

"یا خدا! یسوع مسیح کی برکت سے مجھے محفوظ رکھنا مجھے ان کافروں سے نجات دلا اور توفیق دے کہ میں ان کو تیرا سیدھا راستہ بتا سکوں۔"(۱۱)

یہ شخص جیل سے بھاگا ہوا ایک قیدی تھا جسے عیسائی مذہب اختیار کرنے پر قید میں ڈالا گیا تھا۔ عیسائیت اس وقت رومیوں کی ہسپانیہ تک پھیلی ہوئی سلطنت میں خلافِ قانون قرار دے دی گئی تھی۔ تمام عیسائیوں کو قتل کرنے یا مذہب سے منکر کرنے کی سرکاری تحریک زوروں پر تھی۔ اس قیدی کو ڈھونڈ کر رومن سپاہیوں نے کتوں کو کھلا دیا اور جس جگہ قیدی نے دعا مانگی تھی اسی جگہ رومن سپاہی دعائیہ انداز میں کہنے لگا:

"یا خدا ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ تیری مدد رہی تو سب مرتد جلد ہی ختم ہو جائیں گے۔"(۱۲)

دوسری بار یہ غار آٹھویں صدی عیسوی میں آباد ہوئی جب سپین میں ہلال اور صلیب کی خونچکاں ٹکرائو کی جھنکار سارے یورپ میں گونج رہی تھی۔ جبل الطارق سے مسلمانوں کی تھوڑی سی جمعیت اپنے جہاز جلا کر ھسپانیہ کی سرزمین پر پھیلتی جا رہی تھی اور عیسائیت کا جم غفیر ان کے مقابل تھا اور دونوں فریق خدا کو خوش کرنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ تین عیسائی گھڑ سواروں نے مسلمانوں سے شکست کھا کر اس غار میں پناہ لی، جلد ہی تعاقب کرنے والے مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر انھیں خدا کا پیغام پہنچایا جسے ان گھڑ سواروں نے نہ مانا کیونکہ ان کے لیے یسوع مسیح سات سو برس قبل خدا کا پیغام لائے تھے۔ تیروں کی بارش نے ان عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ایک مسلمان بھی جان سے گیا۔ دونوں فریقین خدا کی راہ میں جانیں لٹا رہے ہیں اور اس کے صلے میں جنت کے متمنی ہیں۔

پندرھویں صدی کے آخری سالوں میں جب شاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا نے غرناطہ فتح کیا تو یہ غار ایک بار پھر آباد ہوئی۔ جب مسلمانوں کو مار دینے یا عیسائی بنانے کی مہم عروج پر تھی۔ اس غار میں ایک مسلمان خاندان (میاں، بیوی، بیٹا، بیٹی) نے پناہ لی۔ جنہیں ھسپانوی سپاہیوں نے ڈھونڈ کر بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ رات کو سپاہی ایک بڑے کلیسا میں ایک پادری کے سامنے پیش ہوئے اور انھیں بتایا کہ وہ ایک مسلمان خاندان کو موت کے گھاٹ اتار کر آ رہے ہیں جو عیسائی بننے سے انکاری تھے۔ ثبوت کے طور پر ان چاروں کی انگلیاں پادری کے سامنے پیش کیں جس پر پادری نے کہا:

"خدا کی رحمتیں تم پر نازل ہوں میرے بچے۔ تم نے اس کے نام کو بچا لیا ہے۔" (۱۳)

سولہویں صدی کے دوسرے نصف میں اس غار کو ایک پریشان حال قیدی نے پھر سے آباد کیا جو کیتھولک عیسائی تھا اور اسے پروٹسٹنٹ ہونے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ غار میں قیدی کی محبوبہ روزی اس سے ملنے آتی ہے اور وہ

دونوں بھاگ کر کسی دوسرے ملک جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہاں روزی کے ذریعے افسانہ نگار انسان دوستی کے نظریے کا پرچار کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''میں تمھارے ساتھ چلوں گی لیکن بحیثیت ایک انسان کے۔۔۔ انسان کو خدا نے اپنا عکس بنایا ہے۔ اس کا صحیح مسلک محبت ہے۔ نفرت نہیں۔ میں اس محبت کی آواز پر تمھارے ساتھ جاؤں گی۔ مذہبی فرقوں کے تقاضوں پر نہیں۔ وہ صرف نفرت دیتے ہیں۔ تمھارے مذہبی فرقے خدا کے پُر محبت نام پر ایک بھیانک تہمت ہیں وہ خدا کو بدنام کرتے ہیں۔ اس کے نام پر نفرت کی دوکان چلاتے ہیں۔''(۱۴)

اگلے روز قیدی چارلس کو پکڑ کر شہر کے ایک بڑے چوراہے پر جلتے الاؤ میں بہت سے کیتھولک عیسائیوں کے ساتھ جھونک دیا جاتا ہے روزی بھی اس کے ساتھ چیختی ہوئی اس آگ کا ایندھن بن جاتی ہے۔ پورے افسانے میں مذہب کے نام پر ہونے والی خون ریزی کو مسعود مفتی طنز کا نشانہ بناتے ہیں اور آخر میں مسافر کے زبانی وہ کہتے ہیں جو انسان دوستی یا ہیومن ازم کا منشور ہے:

> ''خدا نے انسان کو اپنے عکس میں پیدا کیا ہے۔ میں خدا کو سمجھنے کے لیے کتاب کی بجائے انسان کو سمجھوں گا۔''(۱۵)

انسان دوستی کے حوالے سے مسعود مفتی کا ایک اور اہم افسانہ ''سالگرہ'' ہے۔ جس میں جب خدمت خلق کا ایک ادارہ چلانے والا جاپانی نشی موتو مرکزی کردار سے پوچھتا ہے کہ آپ کو جاپان کی کون سی جگہ پسند آئی تو وہ جاپانیوں کی مذہبی رواداری کو سراہتے ہوئے کیوٹو کے اس چوراہے کا نام لیتا ہے جس کی تین سڑکوں پر تین مذاہب کی عبادت گاہیں تھی۔

تب نشی موٹو اسے بتاتا ہے کہ اسی چوراہے پر ان تینوں مذاہب کے ماننے والوں کی بحث اور اپنے طریقہ عبادت کو درست کہنے نے اسے سوچنے پر مجبور کیا کہ خدا کو خوش کرنے کا درست طریقہ کیا ہے۔

> ''اسی بنچ پر تین لوگوں کی بحث... ان کا اصرار کہ صرف ان کی عبادت سے خدا کو خوش کیا جاسکتا ہے... اس دن کے بعد میرے قدم اس بنچ سے آگے نہیں بڑھے کہ میں ان عمارتوں میں سے کسی میں جاسکتا۔ میرے اندر ایک خلا پیدا ہو گیا... اسے پر کرنے کے

لیے میں نے ضرورت مند لوگوں کی عبادت کرنی شروع کر دی کہ شاید خدا اس سے خوش ہو جائے۔"(۱۶)

اسی افسانے کا دوسرا حصہ انڈونیشیا کی ایک یاد پر مشتمل ہے۔ جہاں ایک انگریز ٹورسٹ پیٹر ایک ہندوستانی سے کہتا ہے:

"خاک اور دریائوں کی آغوش میں بے جان مناجاتوں اور مالا کے منکوں کی گنتی سے خدا خوش نہیں ہوتا۔ وہ تو عمل کی عبادت مانگتا ہے۔ 'تم لوگوں نے کیسے خوش کیا خدا کو دو تین سو برسوں میں' میں نے پوچھا۔ 'ہم نے بھی وہی عبادت سیکھ لی جو صحیح ہے اور واقعی خدا چاہتا ہے۔ یعنی خدمت خلق۔ ہم نے فطرت کے رموز سائنس کے ذریعے دریافت کیے اور انہیں انسانیت کی بھلائی کے لیے استعمال کیا۔"(۱۷)

اسی افسانے کا تیسرا حصہ منیلا کے ایک کلب کی یاد پر مشتمل ہے۔ جہاں پر ایک لڑکی ایک سال سے جسم فروشی کے پیشے سے منسلک ہے اور مزید ایک اور سال یہ کام کرنا چاہتی ہے کیونکہ اسے ایم اے کی تعلیم پوری کرنی ہے۔ افسانہ نگار اسے کہتا ہے کہ تمہیں خیال نہیں آتا کہ خدا تم سے ناراض ہو گا۔ اس پر عیسائی لڑکی جواب دیتی ہے کہ میں ذہین ہوں، باہوش ہوں۔ خدا نے مجھے پیدائش میں بہت سی صلاحیتیں دی ہیں مگر بد قسمتی سے مجھے مالی وسائل نہیں دیئے۔ اب میں اپنی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے زیادہ تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔ جب میں اعلی تعلیم حاصل کر لوں گی تو میں اپنے لیے مفید ہو جائوں گی اپنے والدین، معاشرے اور دیگر لوگوں کے لیے مفید ہو جائوں گی۔ تو کیا اس بات سے خدا مجھ سے ناخوش ہو گا؟(۱۸)

مسعود مفتی کے افسانہ " لمحہ" کا مرکزی کردار آرٹسٹ ہے جو ہومنزم کے نظریات سے متاثر ہے اور مذہب کی پابندیوں کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اس عقل نے مجھے سکھایا ہے کہ دھرم پابندیوں کا نام نہیں۔ یہ تو بندے اور خدا کے درمیان گیان اور دھیان کا ذاتی رشتہ ہے جو شخص جیسے چاہے استوار کرے۔۔۔ جب مذہب اپنی منفی قدروں کے concentration camp میں ایک جماعتی نظام ٹھونستا ہے تو پابندیوں سے فرد مر جاتا ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے اور حق ہو کہنے والے کٹھ پتلے رہ جاتے ہیں۔ جو باٹا کے بوٹوں کی طرح ایک ہی سانچے پر کروڑوں

کی تعداد میں بنے ہیں۔ ہر انسان کی زندگی دوسرے انسان سے مختلف ہے اور ایک ہی انسان کی زندگی کا ہر لمحہ دوسرے لمحوں سے مختلف ہے اور مذہب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ تمام لمحوں کو ایک ہی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ یہ انسان کو فرشتہ بنانے کی کوشش میں نہ تو انسان ہی رہنے دیتا ہے اور نہ فرشتہ بنا سکتا ہے۔"(۱۹)

مسعود مفتی کے ایک افسانہ "بھیڑیئے" میں چٹاگانگ کے چکمہ قبیلے کی ایک کہانی کو پیش کیا گیا ہے۔ جس کے مرکزی کردار بنو رانی اور سریندر ہیں جو چچازاد ہیں ایک ہی ساتھ پرورش پاتے اور تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور انسان دوستی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے قبیلے کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے سکول قائم کرتے ہیں جہاں وہ اپنی مدد آپ کے تحت نہ صرف بچوں کو مفت تعلیم دیتے ہیں بلکہ انہیں مختلف ہنر اور گھریلو کاموں کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ یوں کچھ ہی عرصے میں ایک گنوار اور اُجڈ گائوں ایک تہذیب یافتہ گائوں میں بدلنے لگتا ہے۔ ان کی خدمات کی وجہ سے سارا گائوں بنو رانی کو دیوی کہتا ہے۔ لیکن جب گائوں کی یہ دونوں مہان ہستیاں آپس میں شادی کرنا چاہتی ہیں تو قبیلے والے انہیں پروہت کے سامنے پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کے قبیلے میں چچازاد سے شادی نہیں کی جا سکتی۔

"یہ پاپ ہے۔ اپنی بہن سے شادی کی کوشش پاپ ہے، یہ بُدھ کے حکم کے خلاف پاپ ہے۔ پروہت چلایا اس پر سریندر جواب دیتا ہے:

"نہ تو یہ بُدھ کے خلاف پاپ ہے اور نہ دھرم کے خلاف۔ یہ صرف ان لوگوں کی نظروں میں پاپ ہے جو اپنے احکام دھرم کا نام لے کر نافذ کرتے ہیں۔۔ دھرم اور رسوم مختلف ہیں مہاراج۔۔۔ دھرم کو رسم سے نہ ملایئے سرکار۔ بکری کی کھال میں بھیڑیئے کو پہچانیے۔"(۲۰)

اس پر پروہت چلایا کہ یہ میرا کام ہے کہ دیکھوں بکری کون ہے اور بھیڑیا کون۔ تمہارا کام نہیں۔ سریندر اور بنو رانی کو گائوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس افسانے میں مسعود مفتی دھرم کے نام پر لوگوں کا استحصال کرنے والے نام نہاد مذہب کے ٹھیکے داروں پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعہ " سالگرہ" کا انتساب بھی ان کے ہیومنسٹ ہونے کی دلیل ہے جو کچھ ہوں ہے "روایت کے جبر سے الجھنے والی سوچ کے نام"۔ وہ انسان کے

مذہبی، سیاسی، سماجی غرض یہ کہ ہر طرح کے استحصال کے خلاف لکھتے ہیں جو ہیومن ازم سے وابستہ ادیبوں طرہ امتیاز ہے۔

## حوالہ جات


1. Onwuanibe, R. C., A Critique of Revolutionary Humanism: Frantz Fanon. St.Louis, Missouri, USA: (Warren. H. Green, Inc. . 1983)
2. J.A Cuddon, A Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, USA, Wiley Blackwell publication, 2013, P 343
3. https://www.oxfordlearnersdictionaries.com/definition/american_english/humanism
4. http://www.britannica.com/dictionary/humanism

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، (طبع ششم) ۲۰۰۰ء، ص ۹۴۲

۶۔ منٹو، سعادت حسن، منٹو راما، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۰

۷۔ مسعود مفتی، محدب شیشہ، اسلام آباد، اقرا، (طبع دوم) ۱۹۷۹ء، ص ۱۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۸

۹۔ ایضا، ص ۱۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۷۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۷۲

۱۶۔ سالگرہ، مسعود مفتی، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۶، ص ۳۱

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۷۔۵۵

۱۹۔ مسعود مفتی، محدب شیشہ، ص ۱۲۰، ۱۱۹

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۰۳